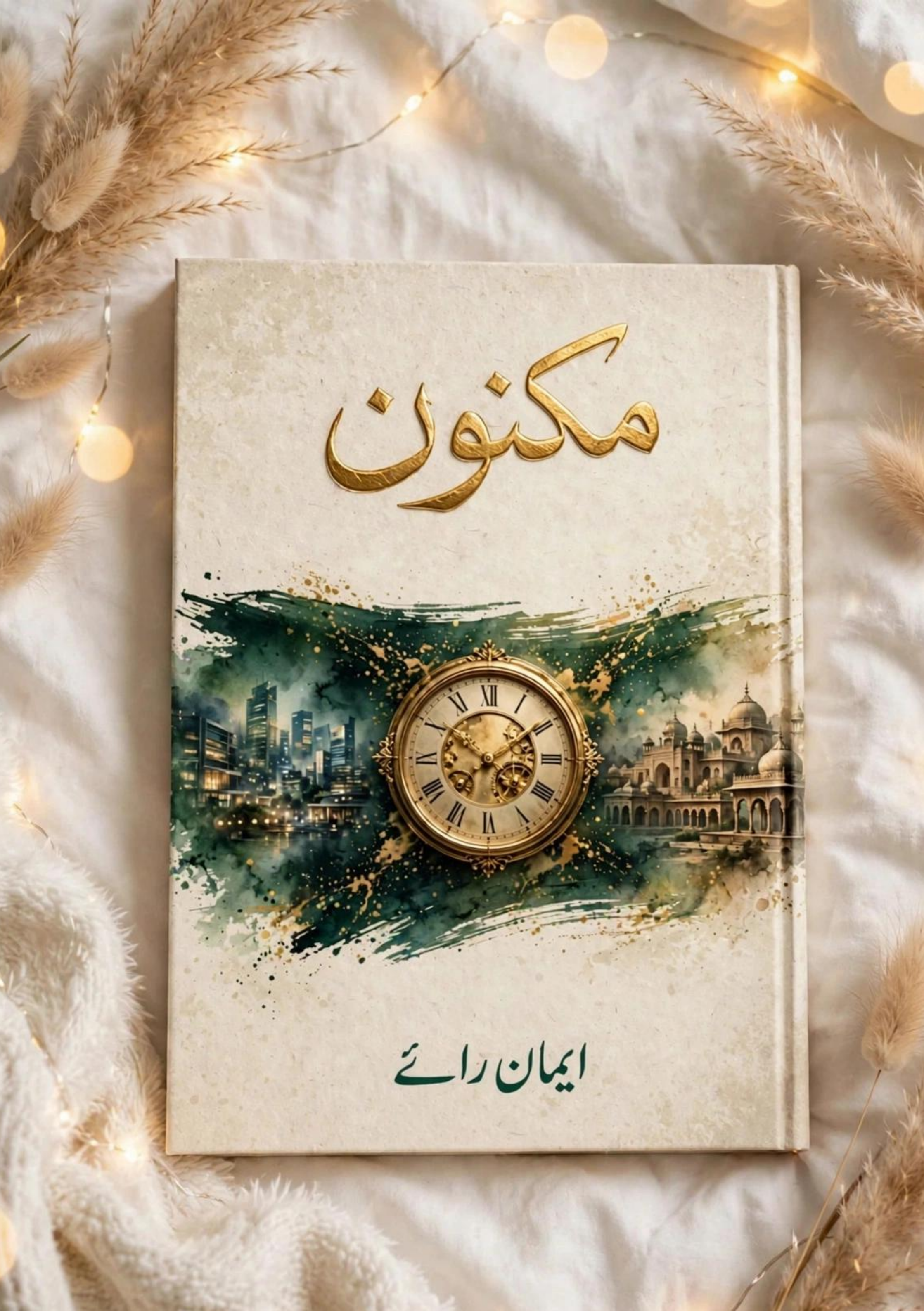
مکنون
ایمان رائے

♡

ناول انتظار کر لے گا، یہیں رہے گا؛ مگر نماز کا وقت گزر جائے گا، پہلے نماز پڑھ لیجیے۔

(This page is Inspired by the late Ishtiaq Ahmed
May Allah bless his soul)

انتساب

ان سب کے نام۔۔۔

جو کبھی خود کو دوسروں سے کم سمجھ بیٹھے۔۔۔

جو دوسروں کی نظر میں اپنی قدر ڈھونڈتے ڈھونڈتے
اپنی ہی نظر میں چھوٹے ہو گئے۔

یہ کہانی اُن سب کے نام۔۔۔

جنہیں ایک دن خود کو پہچاننا تھا۔

پیش نظر

مکنون۔۔ وہ جو ظاہر کی نگاہوں سے اوجھل ہو، مگر اپنے اندر ایک پوری حقیقت، ایک راز اور ایک ان کہی داستان چھپائے ہوئے ہو۔

مکنون صرف محبت، محل اور سازش کی داستان نہیں، بلکہ تقدیر، ایمان، غربت، انسان کے انتخاب اور اس سوال کی کہانی ہے کہ اگر انسان خود کو بد قسمت سمجھتا رہے تو کیا وہ واقعی بد قسمت ہے، یا شاید اسے صرف اُس جگہ سے نکالا جا رہا ہے جہاں اس کی قدر نہیں تھی تاکہ اسے اُس مقام تک پہنچایا جا سکے جہاں اس کی اصل پہچان اس کی منتظر ہو۔

کبھی کبھی زندگی ہمیں وہاں نہیں لے جاتی جہاں ہم جانا چاہتے ہیں۔۔ وہ ہمیں وہاں لے جاتی ہے جہاں ہمیں اپنے آپ سے ملنا ہوتا ہے۔

ہم میں سے کتنے ہی لوگ اپنی زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر یہ سوچ لیتے ہیں کہ شاید ہم دوسروں سے کم ہیں۔ شاید ہم میں کوئی ایسی کمی ہے جس کی وجہ سے ہمیں وہ محبت نہیں ملی جس کے ہم خواہش مند تھے۔ شاید ہماری قسمت ہی خراب ہے۔ شاید خوشیاں دوسروں کے حصے میں لکھی جاتی ہیں اور ہمارے حصے میں صرف انتظار، محرومیاں اور ادھورے خواب آتے ہیں۔

مگر کیا واقعی ایسا ہوتا ہے؟ یا کبھی کبھی مسئلہ ہماری قدر کا نہیں۔۔ ہماری جگہ کا ہوتا ہے۔

کبھی ایک انسان برسوں ایسے لوگوں کے درمیان رہتا ہے جو اس کی خوبیوں کو دیکھنے کے بجائے اس کی خامیاں گنتے رہتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ وہی ماننے لگتا ہے جو دنیا اسے بتاتی ہے۔ اپنے خواب چھوٹے کر لیتا ہے، اپنی خواہشوں کو خاموش کر دیتا ہے، اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب وہ خود کو بھی اسی نظر سے دیکھنے لگتا ہے جس نظر سے دنیا اسے دیکھتی رہی۔

مکنون اسی سفر کی ایک جھلک ہے۔۔ ایک ایسے سفر کی، جہاں کچھ راستے انسان خود چنتا ہے، اور کچھ راستے تقدیر اس کے سامنے لا کھڑے کرتی ہے۔

جہاں محبت ہے، مگر محبت کے ساتھ یہ سوال بھی ہے کہ کیا کسی کو چاہنے کے لیے خود کو کھو دینا ضروری ہے؟

جہاں اعتماد ہے، مگر ساتھ یہ حقیقت بھی کہ ہر قریب آنے والا مخلص نہیں ہوتا۔

جہاں انسانوں کے درمیان بننے والے رشتے کبھی سہارا بن جاتے ہیں اور کبھی وہی رشتے آزمائش کا سب سے مشکل مرحلہ بن جاتے ہیں۔

یہ کہانی شاید تمہیں یہ بھی سوچنے پر مجبور کرے کہ کسی پر بھروسا کرنا اور کسی پر اندھا بھروسا کرنا ایک بات نہیں۔

جو شخص واقعی تمہارا ساتھ نبھانا چاہتا ہو، وہ حالات بدلنے پر تمہیں نہیں چھوڑتا۔ وہ فاصلے دیکھ کر راستہ بدلنے کے بجائے راستہ تلاش کرتا ہے۔

شاید ایک دن اسے تم تک پہنچنے کے لیے صرف ایک شہر نہیں۔۔ ایک پوری دنیا پار کرنی پڑے۔ مگر وہ پھر بھی آئے گا۔

اس کہانی میں کچھ ایسے لمحے بھی ہیں جہاں شاید تم رک کر سوچو دنیا کتنی ہی بدل جائے، زمانہ کتنا ہی محفوظ کیوں نہ دکھائی دے، اپنے بچوں کے معاملے میں ایک لمحے کی غفلت کبھی کبھی ایسی قیمت مانگ سکتی ہے جسے پوری زندگی بھی واپس نہیں کر سکتی۔

اور پھر اس سب کے درمیان ایک اور حقیقت ہے، شاید سب سے بڑی حقیقت۔اللہ پر یقین۔

کیونکہ انسان جب اپنے سارے راستے بند دیکھتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ دعا کرتا ہے۔ پھر انتظار کرتا ہے۔اور کبھی کبھی انتظار اتنا طویل ہو جاتا ہے کہ دل میں یہ خیال آنے لگتا ہے کہ شاید اس کی دعا سنی ہی نہیں گئی۔

مگر کیا ہر تاخیر کا مطلب یہی ہے کہ دعا قبول نہیں ہوئی؟ کیا ہر بند دروازہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ نے راستہ ختم کر دیا؟

یا شاید۔۔اللہ اس کے لیے ایسا راستہ بنا رہا ہوتا ہے جسے انسان اپنی محدود نگاہ سے دیکھ ہی نہیں سکتا؟

کبھی راستہ فوراً نہیں کھلتا۔ کبھی دعا کے بعد حالات پہلے سے زیادہ مشکل محسوس ہونے لگتے ہیں۔ کبھی انسان جس چیز کو اپنی خوشی سمجھ کر مانگتا ہے، وہی اس کے لیے درست نہیں ہوتی۔اور کبھی اللہ انسان کو وہ نہیں دیتا جس کے لیے وہ رو رہا ہوتا ہے۔۔۔کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ اسے آخر کار کس مقام تک پہنچانا ہے۔انسان صرف مانگتا ہے۔۔اللہ انجام جانتا ہے۔

یہ کہانی تمہیں کچھ ایسے سوال بھی دے گی جن کے جواب شاید تمہیں خود تلاش کرنے ہوں گے۔

ممکن ہے اس کے کسی کردار میں تمہیں اپنا ایک حصہ دکھائی دے۔ ممکن ہے کسی منظر میں تمہیں اپنی کوئی پرانی تکلیف یاد آجائے۔

ممکن ہے کسی کردار کا فیصلہ تمہیں اپنے کسی فیصلے کی یاد دلا دے۔۔اور ممکن ہے کسی موڑ پر تمہیں یہ احساس ہو کہ جس چیز کو تم اپنی زندگی کا اختتام سمجھ رہے تھے۔۔وہ شاید کسی اور زندگی کی ابتدا تھی۔

اور شاید زندگی کا سب سے خوبصورت راز یہی ہے کہ جب انسان اپنی قدر پہچاننے والی جگہ تک پہنچتا ہے۔۔۔تو اسے پہلی بار سمجھ آتا ہے کہ جسے وہ اپنی بد قسمتی سمجھتا رہا، وہ دراصل اسے اُس مقام تک لے جانے والا راستہ تھا جہاں اس کی اصل پہچان، اس کی اصل خوشی اور اس کی اصل کہانی اس کی منتظر تھی۔

شاید اسی لیے کچھ کہانیاں مکنون رہتی ہیں۔۔۔تاکہ وقت آنے پر تقدیر خود انہیں آشکار کرے۔

(یہ ناول میری ذاتی تخلیق ہے۔اسے لکھتے ہوئے کسی مصنف، کتاب یا تحریر کی نقل نہیں کی گئی۔براہِ کرم اس ناول کے کسی بھی حصے کو میری اجازت کے بغیر کاپی، پیسٹ، دوبارہ شائع، یا اپنے نام سے منسوب نہ کریں۔)

قسط نمبر

03

سن2026ء

سعودی عرب

گھر کی بتیاں کب کی بجھ چکی تھیں۔ہر کمرہ خاموش تھا۔صرف ایک ماں کے دل میں شور برپا تھا۔اُمِّ سلمیٰ نے چولہے پر رکھا کھانا دوبارہ گرم کیا۔چپ چاپ ایک پلیٹ میں نکالا۔ساتھ پانی کا گلاس رکھا۔اور دبے قدموں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔ابھی انہوں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"امی۔۔۔"

وہ چونک کر پلٹیں۔سامنے معاذ کھڑا تھا۔۔اس کی نظر سیدھی ان کے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ پر گئی۔

"ألم تنامي بعد يا أمي؟"

"آپ ابھی تک نہیں سوئیں؟"

اُمِّ سلمیٰ ایک لمحے کو گھبرا گئیں۔پھر خود کو سنبھالتے ہوئے بولیں،

"آيرين۔۔۔ لم تأكل شيئًا منذ الصباح. ظننت أنها ربما نامت وهي جائعة۔"

"وہ۔۔۔آئرین نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔سوچا شاید بھوکی ہی سو گئی ہو۔۔"

"امی۔۔۔" معاذ کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ آگئی۔

"أما زلت تدافعين عنها؟"

"آپ ابھی بھی اس کی طرفداری کر رہی ہیں؟"

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔**"لا يا بني۔۔۔ لا أدافع عنها۔۔۔"**

"نہیں، بیٹا۔۔۔طرفداری نہیں کر رہی۔۔۔"

وہ واپس آئیں۔۔پلیٹ میز پر رکھی۔۔پھر صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"تعال، اجلس۔"

"آؤ، بیٹھو۔"

معاذ خاموشی سے بیٹھ گیا۔۔ چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ پھر اُمِّ سلمیٰ دھیرے سے بولیں۔

"في النهاية۔۔۔"

"آخر۔۔۔"

"إنها أختك۔"

"وہ تمہاری بہن ہے۔"

"إنها ساذجة۔"

"کم عقل ہے۔"

"ولو كانت تعلم أن اليوم يوم مهم جدا في حياتك، لما ذهبت إلى تلك الشركة أبدا۔"

"اگر اسے معلوم ہوتا۔۔ کہ آج تمہاری زندگی کا اتنا اہم دن ہے۔۔ تو شاید وہ کبھی اس کمپنی نہ جاتی۔"

معاذ نے ایک گہری سانس لی۔ پھر ہنسا۔۔ مگر وہ ہنسی خالی تھی۔

"امی۔۔ ما الذي ينقصها في النهاية؟ هل تركناها تجوع يوما؟ هل قصرنا في توفير الملابس لها؟ هل منعناها يوما من الدراسة؟ فلماذا تفعل هذا؟ منذ أن ولدت۔۔۔"

"آخر اسے کس چیز کی کمی ہے؟ ہم نے کبھی اسے بھوکا رکھا؟ کبھی کپڑوں کی کمی ہونے دی؟ کبھی پڑھنے سے روکا؟ پھر وہ ایسا کیوں کرتی ہے؟ جب سے وہ پیدا ہوئی ہے۔۔۔"

"لم يسر لنا أمر كما ينبغي أبدا۔"

"ہمارا کوئی کام سیدھا نہیں ہوا۔"

"حتى في المدرسة... كان هناك كل عام مشكلة ما... وحتى في الكلية۔۔۔"

"اسکول میں بھی۔۔ ہر سال کوئی نہ کوئی مسئلہ۔۔ کالج میں بھی۔۔"

"والآن۔۔۔"

"اور اب۔۔۔"

"ذهبت إلى الشركة التي كان من المفترض أن أتعاون معها، وهناك أجرت هي المقابلة۔"

"جس کمپنی کے ساتھ مجھے تعاون کرنا تھا۔۔ اسی کمپنی میں جا کر اس نے انٹرویو دے دیا۔۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر دھیمی مگر سخت آواز میں بولا،

"أعتقد أنها۔۔نحس۔۔ لما تدخلت في أمر، بدأ الخراب۔۔"

"مجھے تو لگتا ہے وہ منحوس ہے۔۔جس کام میں ہاتھ ڈالتی ہے۔۔وہیں نقصان شروع ہو جاتا ہے۔۔"

اُمِّ سلمٰی نے آنکھیں بند کر لیں۔جیسے یہ الفاظ وہ پہلے بھی ہزار بار سن چکی ہوں۔کافی دیر تک کچھ نہ بولیں۔پھر ایک لمبی سانس لے کر بولیں،

"لا أعلم ۔۔۔ كيف تكون أقدار الله ۔۔۔"

"مجھے نہیں معلوم۔۔قسمت کے فیصلے کیا ہوتے ہیں۔۔۔"

" لكنني أعلم شيئا واحدا ۔۔۔ أنها لا تؤذي أحدا عن قصد أبدا ۔"

"لیکن مجھے اتنا معلوم ہے۔۔کہ وہ جان بوجھ کر کبھی کسی کا نقصان نہیں کرتی۔۔"

"وما زالت حتى اليوم تبحث عن الخير في الناس قبل أن ترى الشر فيهم ۔"

"وہ آج بھی لوگوں میں برائی سے پہلے اچھائی ڈھونڈتی ہے۔"

"وما زالت حتى اليوم تظن ذلك ۔۔ وأن لكل إنسان قلبا رحيما وإنما يحتاج فقط إلى من يشرح له بلطف"

"وہ آج بھی یہی سمجھتی ہے۔۔کہ ہر شخص کا دل نرم ہوتا ہے۔۔۔بس سمجھانے کی دیر ہوتی ہے۔"

ان کی آواز بھرّا گئی۔

"لكن لدي خوف واحد فقط ۔۔۔ بعد وفاتي... لن يرى أحد منكم وجه الآخر أبدا ۔"

"مجھے تو بس ایک ہی ڈر ہے۔۔میرے مرنے کے بعد۔۔۔تم بہن بھائی ایک دوسرے کی شکل بھی نہیں دیکھو گے۔"

"حتى وأنت على قيد الحياة، لست مستعدا لأن أنظر إلى وجهها ۔"معاذ نے فوراً جواب دیا۔

"میں آپ کے زندہ ہوتے بھی اس کی شکل دیکھنے کو تیار نہیں ہوں۔"

اس کی آنکھوں میں غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"إن ظهرت أمامي ۔۔ أقسم ۔۔ لأقتلنها ۔"

"وہ اگر میرے سامنے آگئی۔۔تو قسم ہے۔۔میں اسے جان سے مار دوں گا۔"

اُمِّ سلمٰی کے ہاتھ بے اختیار کانپ گئے۔انہوں نے فوراً معاذ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"لا تقل هذا الكلام مرة أخرى أبدا ۔"

"ایسی بات دوبارہ کبھی زبان پر مت لانا۔"

"عدني بشيء ۔۔۔ ألا ترفع يدك عليها أبدا ۔"پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولیں،

"تم مجھ سے ایک وعدہ کرو۔۔کبھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے۔"

"ولماذا؟" معاذ چونک گیا۔

"آخر کیوں؟"

"لم أفهم هذا الأمر إلى اليوم. أنت بنفسك تضربينها ۔ ۔ ۔ وتوبخينها ۔ وأحيانا تضربينها ضربا شديدا حتى تمتلئ جسدها بالكدمات ۔"

"یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ آپ خود اسے مارتی ہیں۔۔ ڈانٹتی ہیں۔۔ کبھی کبھی تو اتنا مارتی ہیں کہ اس کے جسم پر نیل پڑ جاتے ہیں۔"

"ثم ۔ ۔ إذا مد أحد منا يده إليها ۔ ۔ فتقفين أمامها كأنك درعٌ يحميها منا ۔ ۔ لماذا؟"

"پھر۔۔ ہم میں سے کوئی ہاتھ لگا دے۔۔ تو آپ ہمارے سامنے ڈھال بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔۔ کیوں؟"

اُمِّ سلمیٰ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اُمِّ سلمیٰ کے ہونٹ کانپ گئے۔

"بعد كل هذا ۔ ۔ قد تكون أختكم غير الشقيقة ۔ ۔ لكنها ابنتي من صُلبي ۔ ۔"

"آخر۔۔ وہ تم لوگوں کی سوتیلی بہن ہو گی۔۔ میری تو سگی بیٹی ہے۔۔"

"فلماذا تضربينها أنتِ بنفسك ۔ ۔ إذا كنتِ تحبينها إلى هذا الحد؟" معاذ نے فوراً کہا،

"پھر آپ خود اسے کیوں مارتی ہیں؟ اگر اتنی ہی محبت ہے۔۔۔"

اُمِّ سلمیٰ کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک پڑے۔ وہ مسکرائیں۔۔ مگر وہ مسکراہٹ درد سے بھری تھی۔

"يا بني ۔ ۔ مهما ضربت الأم ابنتها ۔ ۔ فإنها تتحمل ذلك ۔ ومع مرور الوقت تنسى ذلك أيضا ۔"

"بیٹی۔۔۔ ماں کی مار جتنی بھی کھا لے، برداشت کر لیتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ بھول بھی جاتی ہے۔"

انہوں نے لرزتی آواز میں کہا،

"لكن ۔ ۔ قسوة الأب ۔ ۔ أو الأخ ۔ ۔ وحتى مجرد صوتهما المرتفع ۔ ۔ تكاد تخنق أنفاس الابنة من شدة الخوف ۔ ۔"

"لیکن۔۔ باپ۔۔۔ یا بھائی۔۔ ان کی صرف ایک اونچی آواز بھی۔۔ بیٹی کی سانسیں تک روک دیتی ہے۔۔"

"الكدمات التي تتركها الضربات على الجسد تزول بعد أيام، أما الجروح التي تصيب القلب فتبقى مدى الحياة ۔"

"جسم پر پڑنے والے نیل چند دن میں مٹ جاتے ہیں، لیکن دل پر لگنے والے زخم ساری عمر ساتھ رہتے ہیں۔"

پھر چند لمحے خاموش رہیں جیسے برسوں سے دل میں دفن راز کو زبان دینے کی ہمت جمع کر رہی ہوں، آخر کار انہوں نے دھیرے سے کہا،

"وهي لا تعلم حتى الآن ۔ ۔ أنكم إخوتها غير الأشقاء ۔"

"اور وہ تو یہ بھی نہیں جانتی۔۔ کہ تم لوگ اس کے سوتیلے بھائی ہو۔"

معاذ کی پلکیں تک نہ جھپکیں۔پورے گھر پر ایسی خاموشی چھا گئی۔۔۔جیسے وقت نے خود بھی سانس روک لی ہو۔

آئرین کے والد کی وفات کے چند ماہ بعد، اس کی ماں، اُم سلمیٰ نے دوسری شادی کر لی۔جس شخص سے اس نے شادی کی، اس کے پہلے سے دو بیٹے تھے۔۔۔

دونوں آئرین سے عمر میں بڑے تھے۔اُم سلمیٰ نے ان دونوں کو کبھی سوتیلے بیٹوں کی طرح نہیں دیکھا۔اس نے انہیں اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا، ان کی ہر خوشی کو اپنی خوشی سمجھا۔۔آئرین نے بھی بچپن سے ہی انہیں اپنے بھائیوں کا مقام دیا تھا۔۔وہ دل سے مانتی تھی کہ وہ اس کے بھائی ہیں۔

مگر شاید رشتے صرف دل سے مان لینے سے مکمل نہیں ہوتے۔۔۔

کیونکہ آئرین نے انہیں جتنا اپنا سمجھا، وہ اسے کبھی اپنا نہ سمجھ سکے۔انہوں نے کبھی اسے اپنی بہن تسلیم ہی نہیں کیا۔

اُم سلمیٰ نے اپنی طرف سے محبت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔۔۔مگر آئرین کے حصے میں پھر بھی وہ اپنائیت نہ آ سکی جس کی وہ حقدار تھی۔

اور اوپر۔۔۔

آئرین اپنے کمرے میں اس سب سے بے خبر تھی۔جس دن وہ اس دنیا میں آئی تھی۔۔۔اس دن صرف ایک بچی نے جنم نہیں لیا تھا۔

بلکہ۔۔اسی دن۔۔۔اس کے والد نے اپنی آخری سانس بھی لی تھی۔

لوگوں نے اسے صرف ایک حادثہ سمجھا۔۔مگر ایک بیٹی نے اسی دن۔۔اپنے باپ کا سایہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا۔

اور چند ہی لمحوں بعد۔۔۔وہ اپنی پوری دنیا بھی کھونے والی تھی۔

محل کے پچھلے حصے میں واقع خادماؤں کی رہائش گاہ خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا کبھی پردے کو ہلاتی۔۔۔تو کبھی کمرے میں رکھی مٹی کی صراحی سے ٹکرا کر ہلکی سی سرسراہٹ پیدا کرتی۔کمرے میں موجود تینوں خادمائیں کب کی نیند کی آغوش میں جا چکی تھیں۔

مگر۔۔۔

گلنارا ابھی تک جاگ رہی تھی۔وہ اپنے بستر پر بیٹھی تھی۔اس کی گود میں وہی نیا لباس رکھا تھا۔۔جو آج شام اسے پہلی مرتبہ محل کی خادمہ ہونے کی حیثیت سے دیا گیا تھا۔

ہلکا بادامی رنگ۔۔۔سادہ مگر نہایت نفیس کپڑا۔۔۔باریک سنہری دھاگے سے کیا گیا معمولی سا کنارہ۔۔۔

وہ انگلیوں سے بار بار اس کپڑے کو چھو رہی تھی۔جیسے اب بھی اسے یقین نہ آ رہا ہو۔۔۔کہ یہ واقعی اسی کا ہے۔

اس نے آہستہ سے لباس کو اپنے سینے سے لگا لیا۔اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

کسی نے اسے پھٹے ہوئے کپڑوں کے بجائے۔۔نئے لباس کا حق دار سمجھا تھا۔اس نے پہلی بار۔۔زندگی میں خوف سے زیادہ سکون دیکھا تھا۔پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔کھلے آسمان کے بجائے چھت کے نیچے سوئی تھی۔پہلی بار۔۔اسے کسی نے دھتکارنے کے بجائے۔۔اپنی ذمہ داری کہا تھا۔اس نے خود ہی سر ہلایا۔پھر احتیاط سے لباس تہہ کیا۔۔اپنے چھوٹے سے صندوق میں رکھا۔اور ڈھکن بند کرنے سے پہلے ایک بار پھر اسے دیکھنے لگی۔

ایسا لگ رہا تھا۔۔جیسے وہ کپڑے نہیں۔۔اس کی برسوں کی محرومیاں رکھی ہوں۔وہ آہستہ سے بستر پر لیٹ گئی۔

چھت کو دیکھتے دیکھتے۔۔آج کا پورا دن اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔

دربار۔۔لوگوں کی نظریں۔۔اپنے لیے اٹھتے ہوئے سوال۔۔اور پھر۔۔۔ایک پُر وقار آواز۔

"اگر مسئلہ صرف اس کی ذمہ داری کا ہے۔۔تو میں اس کی ذمہ داری لینے کو تیار ہوں۔"

گلنار کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔اس نے دل ہی دل میں اماں خالہ کے لیے دعا کی۔

"اللہ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔۔آپ نے ایک اجنبی پر وہ رحم کیا۔جو شاید اس کے اپنے بھی نہ کرتے۔۔"

چند لمحے بعد۔۔۔اس کی سوچ سلطان کی طرف چلی گئی۔وہ عجیب آدمی تھا۔اس نے پناہ بھی دی۔۔اور سوال بھی کیے۔

اس نے ظلم بھی نہ ہونے دیا۔۔اور اندھا اعتبار بھی نہ کیا۔گلنار نہ اس سے خفا تھی۔۔اور نہ ہی اس سے قریب۔

مگر۔۔۔اس کے دل میں اس سلطان کی عظمت ضرور بیٹھ گئی تھی۔

اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔پلکیں آہستہ آہستہ بوجھل ہونے لگیں۔کچھ ہی لمحوں بعد۔۔۔وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

جس محل کی چھت تلے وہ آج پہلی بار سکون سے سوئی ہے۔۔تقدیر۔۔اس کے نام کے ساتھ اس محل کا ایک ایسا رشتہ لکھ چکی تھی۔۔جسے وقت بھی کبھی مٹا نہیں سکے گا

چاند اپنی پوری آب و تاب سے آسمان پر چمک رہا تھا۔رات کی خاموشی میں صرف قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔کافی دیر گزر گئی۔آخر کار۔۔۔بہرام نے خاموشی توڑی۔

"میرے سلطان۔۔۔"

"ہمم؟" سلطان نے قدم روکے بغیر جواب دیا۔

بہرام نے لب بھینچے۔جیسے خود سے جنگ لڑ رہا ہو۔پھر دھیرے سے بولا،

"اگر سلطانِ معظم اجازت فرمائیں۔تو آج میں سلطانِ معظم سے نہیں۔۔" وہ چند لمحے رکا۔

"اپنے اُس دوست سے بات کرنا چاہتا ہوں۔۔ جسے اللہ نے مجھے بھائی سے بڑھ کر عطا کیا"

تیمور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ بہرام کی آواز بھرّا گئی تھی۔

"اُس دوست سے۔۔ جس کے لیے اگر کبھی میری جان اور اس کی جان میں ایک کو چننا پڑے۔۔"

"تو میں ایک لمحہ سوچے بغیر اپنی جان قربان کر دوں۔"

خاموشی چھا گئی۔ سلطان کے قدم آہستہ ہو گئے۔ پھر پہلی بار اس نے بہرام کی طرف دیکھا۔اور نہایت دھیمے لہجے میں بولا،

"تمہیں کبھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی، بہرام۔"

بہرام کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"تو پھر۔۔ آج میں اپنے دوست سے ایک سوال پوچھوں؟"

"پوچھو۔"

تیمور نے فوراً نظریں اٹھائیں۔وہ جانتا تھا۔۔۔ بہرام جب اس لہجے میں بات شروع کرتا ہے۔۔۔تو ضرور کوئی مصیبت آنے والی ہوتی ہے۔

"اگر گستاخی ہو جائے۔۔۔" بہرام نے کھنکارا۔

"تو پہلے ہی معاف کر دیجیے گا۔"

سلطان نے ہلکا سا سر ہلایا۔ بہرام نے ایک گہرا سانس لیا۔ پھر آخر کار وہ سوال کر ہی دیا۔۔

"میرے سلطان۔۔ آپ کی عمر اٹھائیس برس ہو چکی ہے۔۔"

"آپ سے پہلے گزرنے والے سلطان۔۔ اور آس پاس کی سلطنتوں کے بادشاہ۔۔"

"اس عمر تک کئی کئی شادیاں کر چکے ہوتے ہیں۔"

"مجھے تو اب گنتی بھی نہیں یاد۔۔۔" وہ ذرا سا ہنسا۔

"کس کس سلطنت کی شہزادیاں آپ کے نام کے خواب دیکھتی ہیں۔"

"ریاستِ واسط کی شہزادی ماریہ۔۔۔"

"یاد ہے تیمور؟"

"یاد ہے۔" تیمور نے مختصر جواب دیا۔

"وہ صرف آپ سے نکاح نہیں کرنا چاہتی تھی۔۔۔" بہرام بولتا گیا۔

"اپنی پوری سلطنت بھی آپ کے قدموں میں رکھ دینے کو تیار تھی۔"

"مگر آپ نے انکار کر دیا۔"

"اور وہ اکیلی نہیں تھی۔۔ایسے نہ جانے کتنے پیغام آئے۔۔ مگر آپ نے ہر بار انکار کر دیا۔"

"آخر کیوں؟" پھر اس نے نہایت سنجیدگی سے پوچھا،

"کیا واقعی۔۔۔"

"آپ کبھی شادی نہیں کریں گے؟"

راستہ خاموش ہو گیا۔ فضا پر ایسی خاموشی چھا گئی۔۔۔ کہ صرف ہوا کی آواز باقی رہ گئی۔

اچانک۔۔۔ سلطان کے قدم رک گئے۔ وہ آہستہ آہستہ مڑے۔ ان کی گہری نظریں سیدھی بہرام پر آ ٹھہریں۔ تیمور کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس نے فوراً بہرام کی طرف دیکھا۔ گویا آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ رہا ہو۔۔۔

"میں نے منع کیا تھا۔"

بہرام کے حلق میں جیسے سانس اٹک گئی۔ اسے پہلی بار احساس ہوا۔۔۔

شاید۔۔۔ اس نے حد پار کر دی ہے۔

"میرے سلطان۔۔۔" اس نے نظریں جھکا لیں۔

"اگر مجھ سے۔۔۔"

سلطان نے ہاتھ کے ہلکے سے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔

پھر وہ بولے۔۔ ایسے لہجے میں۔۔ جیسے ہر لفظ پہلے سے اس کے دل میں لکھا ہوا ہو۔

"بہرام۔۔ جس عورت کو میں اپنی ملکہ بناؤں گا۔۔ وہ صرف میری شریک حیات نہیں ہو گی۔"

"وہ اس سلطنت کے ہر یتیم کی ماں ہو گی۔۔۔"

"ہر مظلوم کی پناہ ہو گی۔۔۔"

"اور میرے بعد۔۔۔"

"میرے بچوں کی پہلی استاد بھی وہی ہو گی۔"

ان کی آواز پہلے سے زیادہ گہری ہو گئی۔

"لوگ سمجھتے ہیں۔۔ سلطان نکاح اپنے لیے کرتا ہے۔۔"

"نہیں۔۔۔"

"سلطان نکاح پوری سلطنت کے لیے کرتا ہے۔"

"میں اپنی سلطنت۔۔اپنی آنے والی نسلیں۔۔اور اپنے لوگوں کا مستقبل۔۔کسی ایسے انسان کے حوالے نہیں کر سکتا۔۔"

"جسے میں صرف خوبصورتی کی بنیاد پر جانتا ہوں۔"

بہرام اور تیمور خاموشی سے دیکھتے رہے۔سلطان نے بات جاری رکھی۔

"تخت پر بیٹھنے کے دن۔۔میں نے اپنے رب سے ایک وعدہ کیا تھا۔۔جس دن مجھے ایسی عورت مل گئی۔۔۔"

"جس پر میں اپنی جان سے بڑھ کر اعتبار کر سکوں۔۔جسے میں اپنی غیر موجودگی میں بھی۔۔اپنی سلطنت کی امانت سونپ سکوں۔۔"

"جس کے سامنے میں سلطان نہیں۔۔صرف محمد بازید بن سکوں۔۔"

"اور جس کے فیصلوں پر مجھے اپنے فیصلوں جتنا یقین ہو۔۔۔"

"اسی دن۔۔محمد بازید نکاح کرے گا۔۔"

خاموشی۔۔۔ایسی خاموشی۔۔۔جس میں صرف اس کے الفاظ کی گونج باقی تھی۔بہرام کئی لمحے دیکھتا رہا۔

اچانک بہرام نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اور مصنوعی سنجیدگی سے بولا،

"تو میرے سلطان۔۔۔اس کا مطلب۔۔۔"

"جس دن آپ کو میری جیسی لڑکی مل گئی۔۔۔اسی دن آپ نکاح کر لیں گے؟"

"بہرام۔۔حد میں رہو۔۔" تیمور نے فوراً گھور کر اسے دیکھا۔

مگر دونوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔۔۔جب سلطان نے نہایت بے پروائی سے کہا،

"ہاں۔۔۔

صحیح کہہ رہے ہو۔تمہاری جتنی وفادار اگر مجھے کوئی مل جائے، جس پر میں ہر بات کا اعتبار کر سکوں۔۔۔"

"کیا واقعی؟" ایک لمحے کے لیے بہرام کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"یعنی۔۔آپ مجھ پر اپنی جان سے بھی زیادہ اعتبار کرتے ہیں؟"

"کسی حد تک۔۔۔" سلطان نے اسی سکون سے جواب دیا،

"تم دونوں پر۔"

بہرام خوشی سے تقریباً اچھل پڑا۔وہ بے اختیار ایک قدم آگے بڑھا۔جیسے سلطان کو گلے لگا لے۔

مگر۔۔۔اچانک اس کے قدم رک گئے۔وہ خاموش ہو گیا۔پتا نہیں کیوں۔۔۔

سلطان بننے کے بعد محمد بازید کے مزاج میں ایک ایسی سنجیدگی آگئی تھی۔۔۔جس نے دوستوں اور سلطان کے درمیان ایک خاموش سی حد کھینچ دی تھی۔

وہ حد۔۔۔جسے نہ سلطان نے کبھی قائم کیا۔۔۔نہ دوستوں نے کبھی توڑنے کی کوشش کی۔

شاید۔۔۔

ایک عظیم سلطنت کو قائم رکھنے کے لیے۔۔۔یہ فاصلہ ضروری بھی تھا۔ بہرام نے فوراً رخ موڑا۔

"تیمور! سنا تم نے؟"

"ارسلان! یونس!" پھر پیچھے چلتے دونوں سپاہیوں کی طرف دیکھ کر تقریباً فخر سے بولا،

"تم دونوں بھی گواہ رہنا!"

"سلطانِ معظم نے ابھی فرمایا ہے۔۔وہ مجھ پر اپنی جان سے بھی زیادہ اعتبار کرتے ہیں!"

"میں نے کہا تھا۔۔کسی حد تک۔۔" سلطان نے بغیر اس کی طرف دیکھے تصیح کی۔

"یہ 'کسی حد تک' ہر خوشی خراب کر دیتا ہے۔" بہرام کا چہرہ فوراً اتر گیا۔

اس بار۔۔تیمور کے لبوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ پیچھے چلتے سپاہی بھی ہنس دیے۔

چند ہی لمحوں بعد۔۔۔گاؤں کی پہلی جھونپڑیاں دکھائی دینے لگیں۔رات اپنی گہرائیوں میں اتر چکی تھی۔ہر طرف ایسی خاموشی تھی۔۔۔جیسے پورا گاؤں نیند کی آغوش میں جا چکا ہو۔سامنے دور چند مٹی کے گھروں کے درمیان ایک مدھم سا چراغ دکھائی دیا۔

ایک سپاہی آگے بڑھا۔۔راستے کے کنارے ایک ضعیف چرواہا تھا۔سپاہی نے نہایت ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام، بیٹا۔" بوڑھے نے چونک کر دیکھا۔

"ہمیں امام کریم کا گھر درکار ہے۔"

بوڑھے نے ایک لمحہ ان سب کے چہروں کو غور سے دیکھا۔ پھر آہستہ سے ہاتھ اٹھایا۔

"سامنے۔۔۔جس دروازے کے باہر چراغ جل رہا ہے۔۔۔"

سپاہی نے سر جھکا کر شکریہ ادا کیا۔۔چھوٹا سا مٹی کا گھر۔۔سادہ سا دروازہ۔

دروازے کے برابر میں کھجور کے پتوں کی بنی ایک چٹائی۔اور ایک مٹی کا دیا۔۔جو مسلسل جل رہا تھا۔

تیمور نے دروازے تک پہنچ کر آہستہ سے دستک دی۔۔چند لمحے کوئی جواب نہ آیا۔ پھر اندر سے ایک نوجوان کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"دروازہ کھولو۔" تیمور نے پر سکون مگر باوقار لہجے میں جواب دیا۔

"سلطانِ معظم تشریف لائے ہیں۔"

اندر۔۔یکایک مکمل خاموشی چھا گئی۔پھر جلدی جلدی قدموں کی آوازیں آئیں۔۔کنڈی کھلی۔۔۔دروازہ آہستہ سے کھلا۔۔سامنے تقریباً پچیس برس کا ایک نوجوان کھڑا تھا۔۔اس نے جیسے ہی سامنے سلطان کو دیکھا۔۔اس کی سانس رک گئی۔لب کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"س۔۔سلطان۔۔"اس کے منہ سے بمشکل یہی ایک لفظ نکلا۔

وہ فوراً ایک طرف ہٹا۔۔اور تقریباً دوڑتے ہوئے اندر کی طرف مڑا۔

"ابّا۔۔ابّا!"

"سلطانِ معظم۔۔خود تشریف لائے ہیں!"

"بیٹا۔۔گھبراتے نہیں۔۔"اندر سے ایک بھاری مگر نہایت پُر سکون آواز سنائی دی۔

"مہمان دروازے پر کھڑے ہوں تو پہلے انہیں اندر بلایا جاتا ہے۔"ایک ضعیف شخص آہستہ آہستہ چلتے ہوئے باہر آئے۔

سفید داڑھی۔۔نور سے دمکتا چہرہ۔۔پیشانی پر برسوں کے سجدوں کا نشان۔۔

اور آنکھوں میں ایسا سکون۔۔جو صرف اُن لوگوں کی نگاہوں میں اترتا ہے۔۔جو دنیا سے زیادہ اپنے رب کو پہچانتے ہوں۔

انہوں نے دروازے سے باہر قدم رکھا۔۔سلطان پر نظر پڑی۔

چند لمحے۔۔بس دیکھتے رہے۔پھر دونوں ہاتھ ادب سے باندھ لیے۔اور نہایت وقار سے بولے،

"السلام علیکم۔۔یا سلطانَ المسلمین۔"

"وعلیکم السلام ورحمۃاللہ وبرکاتہ۔" سلطان نے بھی احترام سے جواب دیا۔

امام کریم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا دیا۔پھر بولے،

"میرے سلطان۔۔میرے دل نے گواہی دے دی تھی۔۔آپ مجھ تک ضرور پہنچیں گے۔"

"لیکن۔۔یہ گمان ہرگز نہ تھا کہ سلطانِ معظم۔۔ایک معمولی سے امام کے دروازے تک خود تشریف لائیں گے۔"

"اگر مجھے اس کا ذرا بھی اندازہ ہوتا۔۔تو خدا گواہ ہے۔۔میں آپ کو یہ زحمت کبھی نہ دیتا۔۔"

سلطان نے نہایت سکون سے فرمایا،

"جس راستے کا اختتام سچ پر ہو۔۔وہ زحمت نہیں ہوتا، امام صاحب۔۔"

امام کریم کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے تحسین ابھری۔پھر وہ ایک طرف ہٹ گئے۔

"تشریف لائیے۔۔ یہ گھر میرا ضرور ہے۔ لیکن آج یہ آپ کا ہے۔۔"

سب اندر داخل ہوئے۔ گھر انتہائی سادہ تھا۔ مٹی کی دیواریں۔ایک کونے میں چند کتابیں۔ایک لکڑی کی الماری۔ دو مٹی کے چراغ۔ اور درمیان میں بچھی چند عام سی چٹائیاں۔امام کریم نے ایک نظر پورے کمرے پر ڈالی۔ پھر اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے۔

"وہ صندوق کھولو۔"

وہ جلدی سے ایک لکڑی کا چھوٹا سا صندوق لے آیا۔اسے کھولا۔اس میں نہایت نفاست سے لپٹا ہوا ایک خوبصورت ایرانی قالین رکھا تھا۔

"ابّا۔۔ یہ تو آپ نے عید کے لیے سنبھال رکھا تھا۔" نوجوان نے دھیرے سے کہا،

"بیٹا۔۔" امام کریم مسکرا دیے۔

"جس گھر میں سلطانِ عدل اپنے قدم رکھ دے۔۔ وہی دن اُس گھر کی عید بن جاتا ہے۔"

انہوں نے اپنے ہاتھوں سے قالین اٹھایا۔ سلطان کے سامنے بچھایا۔اور ادب سے عرض کیا،

"میرے سلطان۔۔ میرے گھر میں اس سے قیمتی کوئی چیز نہیں۔۔"

"اس لیے۔۔ آپ کی خدمت میں یہی پیش کر سکتا ہوں۔۔"

سلطان چند لمحے قالین کو دیکھتے رہے۔ پھر امام کی طرف دیکھا۔اور فرمایا،

"کسی گھر کی اصل دولت اس کے فرش نہیں ہوتے، اس کے مکین ہوتے ہیں۔۔"

یہ سن کر امام کریم نے بے اختیار نظریں جھکا لیں۔ان کے لبوں پر خاموش مسکراہٹ آ گئی۔سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔۔ چند لمحے تک صرف چراغ کی لو سنائی دیتی رہی۔آخر سلطان نے خاموشی توڑی۔ان کی آواز ہمیشہ کی طرح پُرسکون تھی۔

"امام صاحب۔۔ میں آج رات یہاں گواہی لینے نہیں آیا۔۔"

امام نے خاموشی سے سر اٹھایا۔ سلطان نے بات مکمل کی۔

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جس شخص کی سچائی کی گواہی پورا علاقہ دیتا ہے۔۔۔ وہ اچانک خاموش کیوں ہو گیا؟"

چراغ کی لو ایک لمحے کو لرزی۔امام کریم کی نظریں فرش پر جمی تھیں۔وہ جواب جانتے تھے۔۔۔ مگر شاید الفاظ چن رہے تھے۔

سلطان نے انہیں کوئی جلدی نہ دلائی۔انہوں نے صرف انتظار کیا۔امام کریم نے دھیرے سے سر اٹھایا۔ان کی نگاہ سلطان پر ٹھہری۔ پھر نہایت آہستہ بولے،

"میرے سلطان آپ نے پوچھا۔۔ میں دربار کیوں نہ آیا؟"

"اس لیے نہیں آیا۔۔ کہ مجھے اپنے سچ پر شک تھا۔۔"

"بلکہ اس لیے۔۔ کہ مجھے اپنے رب کی دی ہوئی ایک امانت بچانی تھی۔"

سلطان کی نظریں پہلی بار امام کے پہلو میں بیٹھے نوجوان پر اٹھیں۔

وہ لڑکا۔۔۔اب بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔اس کے ہاتھ بے اختیار کانپ رہے تھے۔امام نے بھی اسی کی طرف دیکھا۔

" یہ میرا بیٹا ہے۔ میری زندگی کی آخری خوشی۔۔اور میرے بڑھاپے کا سہارا۔"

امام کریم نے ایک گہری سانس لی، جیسے کئی دنوں سے سینے میں دبا ہوا بوجھ اب الفاظ کا راستہ مانگ رہا ہو۔۔ پھر انہوں نے سلطان کو وہ تمام بات بتا دی جو اب تک اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔

دربار جانے سے پہلے ہی مولا بخش کے لوگوں نے امام کریم کے بیٹے کو اغوا کر لیا تھا۔ پیغام صاف تھا کہ اگر امام کریم نے سلطان کے سامنے زبان کھولی تو ان کا بیٹا زندہ واپس نہیں آئے گا۔ دھمکی صرف یہیں تک نہیں تھی، انہیں صاف کہہ دیا گیا تھا کہ اگر انہوں نے گواہی دینے کی کوشش کی تو شاید انہیں اپنے بیٹے کی لاش بھی نصیب نہ ہو۔

امام کریم نے گہری سانس لی۔ پھر وہ آہستہ سے اٹھے اور کمرے کے ایک کونے میں رکھے پرانے صندوق کے پاس جا پہنچے۔ کچھ دیر اس میں تلاش کرنے کے بعد انہوں نے کپڑے میں لپٹا ہوا ایک کاغذ نکالا۔ واپس آ کر وہ سلطان کے سامنے بیٹھے اور وہ کاغذ ان کی طرف بڑھا دیا۔ سلطان نے خاموشی سے اسے کھولا۔

یہ ایک بیع نامہ تھا۔اس پر مولا بخش اور نذر، دونوں کے انگوٹھوں کے واضح نشان موجود تھے۔کچھ لمحوں تک سلطان کی نگاہیں اس کاغذ پر جمی رہیں۔

" یہ وہ زمین ہے، میرے سلطان۔۔ جس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اسے بیچا ہی نہیں گیا تھا۔"امام کریم نے آہستہ سے کہا،

امام کریم کی آواز میں افسوس اتر آیا۔ " مگر حقیقت یہ ہے کہ مولا بخش نے اپنی ضرورت کے وقت وہ زمین نذر کے ہاتھ بیچ دی تھی۔ نذر نے اپنی جمع پونجی اور جو کچھ اس کے پاس تھا، سب لگا کر وہ زمین خریدی تھی۔"

" پھر جب مولا بخش نے دیکھا کہ اسی زمین سے نذر کو فائدہ ہونے لگا ہے۔۔ تو اس کا دل بدل گیا۔"

انہوں نے بیع نامے کی طرف دیکھا۔ " اس نے نذر سے زمین واپس مانگی۔ نذر نے انکار کیا تو مولا بخش نے پورے علاقے میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ زمین بیچی ہی نہیں گئی تھی۔۔ بلکہ صرف گروی رکھی گئی تھی"

بہرام نے بے اختیار سلطان کی طرف دیکھا۔ تیمور خاموش تھا، مگر اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ بات اب محض ایک زمین کے جھگڑے تک محدود نہیں رہی تھی۔

امام کریم نے نظریں جھکا لیں۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دھیرے سے بولے،

جھوٹی گواہی میں دے نہیں سکتا تھا اور سچی گواہی میرے بیٹے کے گلے کا پھندا بن جاتی۔اس لیے میں نے "ان کی آواز میں بوجھ اتر آیا۔ "خاموشی اختیار کر لی۔

"اور میرے سلطان۔۔اگر اس سارے معاملے میں کسی ایک شخص کا قصور سب سے زیادہ ہے تو وہ میں ہوں۔ میں جانتا ہوں، یہ جھوٹ بہت بڑا تھا۔ لیکن ایک باپ بعض اوقات وہ فیصلے بھی کر گزرتا ہے جنہیں وہ خود بھی درست نہیں مانتا۔"

اپنی موت کی جھوٹی خبر پھیلانے کا مشورہ بھی میں نے ہی دیا تھا۔۔تاکہ میرا بیٹا "انہوں نے ایک لمحے کے لیے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ "زندہ رہ سکے۔

تیمور اور بہرام نے بے اختیار سلطان کی طرف دیکھا۔ عدالت کے معاملے میں جھوٹ معمولی جرم نہیں تھا۔

مگر سلطان کے چہرے پر نہ حیرت آئی، نہ غصہ۔ وہ چند لمحے امام کریم کو دیکھتے رہے ل۔ پھر نہایت دھیمے لہجے میں بولے،

"کبھی کبھی انسان دو گناہوں میں سے چھوٹا گناہ اس لیے چنتا ہے۔۔ کہ کسی بے گناہ کی جان بچا سکے۔"

امام کریم نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ سلطان کی نظریں اب بھی انہی پر تھیں۔

"میں جھوٹ کو درست نہیں کہہ سکتا۔۔ لیکن ایک باپ کے خوف کو ضرور سمجھ سکتا ہوں۔"

امام کریم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ سلطان نے قدرے سنجیدہ لہجے میں بات مکمل کی،

"اصل مجرم وہ نہیں ہوتا جو خوفزدہ ہو کر غلط فیصلہ کر بیٹھے۔۔"

"اصل مجرم وہ ہوتا ہے جو کسی باپ کو اس کے بیٹے کے ذریعے مجبور کرے۔" ان کی نگاہ میں اچانک سختی اتر آئی۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سلطان محمد بازید صرف جرم نہیں دیکھتا تھا۔۔ وہ اس جرم تک پہنچنے والی وجہ بھی دیکھتا تھا۔

اور شاید اسی لیے اس کی عدالت میں صرف مجرم ہی نہیں، مجرم بنانے والے بھی محفوظ نہیں رہتے تھے۔

یا سلطانَ المسلمین۔۔۔ "امام کریم نہایت دھیمے لہجے میں بولے،

"اگر آپ صرف جرم دیکھیں گے تو شاید صحیح فیصلہ کر دیں۔۔ لیکن اگر مجبوری بھی دیکھ لیں تو اللہ کی رحمت آپ کے فیصلوں میں اتر آئے گی۔"

کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔ چراغ کی مدھم روشنی کبھی سلطان کے چہرے پر پڑتی۔ کبھی امام کریم کے نورانی چہرے پر۔

کسی کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ آخر کار تیمور نے نہایت ادب سے دونوں ہاتھ باندھے۔

اگر میری جسارت معاف ہو۔۔ تو ایک بات عرض کروں؟"

"کہو، تیمور۔" سلطان نے مختصر سا جواب دیا۔

تیمور نے ایک لمحے کے لیے سلطان کی طرف دیکھا، پھر امام کریم کی طرف متوجہ ہوا۔

" جانِ پناہ۔۔ میں ایک بات اب تک نہیں سمجھ سکا۔۔جب دربار میں وہ مقدمہ پیش ہوا تو ہمارے سامنے صرف دو ہی راستے تھے۔ یا تو پہلا شخص سچا تھا۔۔ یا دوسرا۔۔میں نے یہی سمجھا کہ اگر دوسرا سچا ثابت ہو گیا تو پہلا یقیناً جھوٹا ہو گا۔ لیکن۔۔آپ نے نہ پہلے کو جھوٹا کہا، نہ دوسرے کو۔آپ نے اسی لمحے امام صاحب کو تلاش کرنے کا حکم دے دیا۔میں ابھی تک یہی سوچ رہا ہوں کہ آپ کو یہ یقین کیسے ہوا کہ امام ابھی زندہ ہے؟ "

بہرام بھی اب پوری توجہ سے سلطان کی طرف دیکھ رہا تھا۔امام کریم کی آنکھوں میں بھی تجسّس اتر آیا۔وہ بھی سلطان کا جواب سننا چاہتے تھے۔

سلطان نے فوراً کچھ نہ کہا۔وہ چند لمحے چراغ کی لو کو دیکھتے رہے۔پھر آہستہ سے بولے،

" تیمور وہ بچہ۔۔اپنے باپ کو بچانے نہیں آیا تھا۔وہ صرف۔۔اپنے امام کو زندہ ثابت کرنا چاہتا تھا۔"

سلطان کی نگاہ چند لمحوں کے لیے زمین پر ٹھہری، پھر انہوں نے تیمور کی طرف دیکھا۔

"میں نے اس کی آنکھوں میں خوف دیکھا۔۔مگر جھوٹ نہیں دیکھا۔"

خاموشی پھر کمرے میں پھیل گئی۔

" سبحان اللہ۔۔۔" امام کریم کے لبوں پر بےاختیار ایک ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اللہ جسے چاہے بصیرت عطا فرماتا ہے۔"ان کے لبوں سے بےساختہ نکلا۔

" ہمیں اجازت دیجیے، امام صاحب۔" کچھ ہی لمحوں بعد سلطان اٹھ کھڑے ہوئے۔

" میرے سلطان۔۔اللہ آپ کو سلامت رکھے۔" امام کریم بھی فوراً کھڑے ہو گئے۔

سب دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔سلطان نے ایک قدم باہر رکھا ہی تھا۔کہ پیچھے سے امام کریم کی آواز آئی۔

" یا سلطانَ المسلمین۔۔۔"

سلطان رک گئے۔آہستہ سے مڑے۔امام کریم نے نظریں جھکا لیں۔جیسے وہ کوئی بہت بڑی درخواست کرنے جا رہے ہوں۔

"ایک خواہش ہے اگر قبول فرما لیں۔۔"

"فرمایئے۔" سلطان نے نہایت احترام سے کہا،

امام کریم نے چند لمحے خاموش رہ کر کہا،

"پوری زندگی لوگوں کو نماز پڑھائی ہے۔۔بےشمار نمازی دیکھے۔۔بےشمار مسافر بھی مگر۔۔کبھی یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔۔کہ سلطانِ مسلمان میرے پیچھے صف میں کھڑے ہوں۔ "

ان کی آواز میں عاجزی تھی۔ "اگر آپ کو عجلت نہ ہو تو فجر میرے پیچھے ادا فرما لیجیے۔۔"

سلطان نے امام کریم کو دیکھا۔ پھر نہایت نرمی سے کہا،

"ان شاء اللہ۔۔"

امام کریم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا۔امام کریم کے چہرے پر سکون پھیل گیا۔

سلطان محمد بازید بن سلیمان، تیمور، بہرام، امام اور دو سپاہی آہستہ آہستہ مسجد کی طرف چل پڑے۔۔۔

فجر کی نماز ختم ہو چکی تھی۔امام کریم ابھی بھی مسجد کے دروازے پر کھڑے سلطان کو جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔۔۔

ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔رات کا اندھیرا اب آہستہ آہستہ نیلے آسمان میں تحلیل ہونے لگا تھا۔سلطان نے مسجد کی سیڑھیاں اترتے ہوئے آسمان کی طرف ایک نظر ڈالی۔پھر تیمور کی طرف دیکھ کر کہا،

"چلو۔"

"حکم، سلطانِ معظم۔" تیمور فوراً سیدھا ہو گیا۔

"ہم واپس محل نہیں جا رہے؟" بہرام نے حیرانی سے ادھر اُدھر دیکھا۔

"نہیں۔پہلے ایک جگہ جانا ہے۔۔" سلطان کے قدم بغیر رکے آگے بڑھتے رہے۔

"کہاں، میرے سلطان؟"

"میری والدہ۔۔ سلطانہ عائشہ خاتون کے باغ میں۔۔"

کچھ قدم اور گزرے۔پھر تیمور نے نہایت احترام سے آواز دی۔

"سلطانِ معظم! آج ایک بات محسوس کی ہے۔"

سلطان خاموش رہا۔گویا اجازت دے دی ہو۔

سولہ برس ہو گئے آپ کو تختِ سلطنت سنبھالے ہوئے۔۔ان سولہ برسوں میں، میں نے شاید ہی کبھی آپ کو اتنا بولتے سنا ہو۔۔ جتنا آج "
"ایک ہی رات میں سن لیا

"سچ کہہ رہا ہے۔" بہرام بے اختیار ہنس پڑا۔

"مجھے تو ایک لمحے کو لگا تھا کہیں ہم غلط آدمی کے ساتھ تو سفر نہیں کر رہے۔"

"میں سنجیدہ بات کر رہا ہوں۔" تیمور نے اسے گھورا۔

پھر اس نے دوبارہ سلطان کی طرف دیکھا۔

"اگر آج ہم دونوں نے حد سے زیادہ سوال کیے ہوں، یا آپ کو کسی لمحے ناگواری ہوئی ہو تو معاف فرما دیجیے گا، لیکن۔۔"

"ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔۔ کہ آپ نے ہمیں اپنے دل کی کچھ باتوں کا امین سمجھا۔۔اور اگر کبھی دوبارہ آپ کسی سفر پر نکلیں۔تو صرف اس وجہ سے ہمیں ساتھ لے جانے کا ارادہ ترک نہ کیجیے گا، کہ ہم بہت سوال پوچھتے ہیں۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ سلطان کی نظریں سامنے بچھے راستے پر تھیں۔ پھر اس نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا،

"نہیں۔۔اگلی بار ایک مرتبہ ضرور سوچوں گا۔۔"

"دیکھا! میں نے کہا تھا نا، یہ سزا مجھے ہی ملنی تھی۔" بہرام کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"خاموش رہو۔۔۔" تیمور نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ابھی ایک مرتبہ سوچنے کی بات ہوئی ہے، کہیں دوسری مرتبہ سوچنے پر ہمارا نام ہی فہرست سے نہ کاٹ دیا جائے"

بہرام نے فوراً دونوں ہاتھ جوڑ لیے۔ "میرے سلطان! قسم ہے، اگلے پورے سفر میں صرف سلام کروں گا! اس کے بعد ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔"

"البتہ اگر کوئی بہت ضروری سوال ہوا، تو وہ سپہ سالار پوچھ لیں گے۔۔" وہ خود ہی بڑبڑایا۔

تیمور نے گھور کر دیکھا۔

فجر کی اذانیں ختم ہو چکی تھیں۔ شہر کی مختلف مسجدوں سے لوگ آہستہ آہستہ باہر نکلنے لگے تھے۔

کسی کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔۔ کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ نماز کے بعد کی باتوں میں مصروف تھا۔۔

کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ نماز کے بعد کی باتوں میں مصروف تھا۔۔اور کوئی تیزی سے اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

رات ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی۔ آسمان پر ہلکی سی سفیدی نمودار ہوئی تھی، مگر سورج کے آنے میں ابھی وقت تھا۔

اسی مسجد کے قریب۔۔ حازم خاموشی سے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پوری رات کی جاگ تھی۔

لب خشک تھے۔ پیٹ میں کئی گھنٹوں سے کچھ نہیں گیا تھا۔ مگر وہ اپنی بھوک کے لیے نہیں آیا تھا۔

رات بھر اس کی ماں بخار میں تپتی رہی تھی۔

کبھی وہ اسے پانی پلاتا۔۔ کبھی اس کے ماتھے پر گیلا کپڑا رکھتا۔۔اور کبھی خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ کر اس کی سانسیں سنتا رہتا۔

گھر میں نہ دوا کے پیسے تھے۔۔ نہ کھانے کو کچھ۔ حازم خود بھی بھوکا تھا۔

مگر اسے اپنی بھوک کی اتنی فکر نہیں تھی۔ اسے صرف یہ فکر تھی کہ اگر آج بھی کام نہ ملا تو۔۔

ماں کے لیے دوا کہاں سے آئے گی؟ وہ مسجد سے نکلنے والے ایک آدمی کے قریب گیا۔

"صاحب۔۔"

آدمی نے رک کر اسے دیکھا۔ حازم نے ہچکچاتے ہوئے کہا،

"کوئی کام ہو تو بتا دیجیے گا۔۔ جو کہیں گے، کر دوں گا"

آدمی نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا۔

"ابھی تو سورج بھی نہیں نکلا، بیٹا۔" اور آگے بڑھ گیا۔

حازم وہیں کھڑا رہ گیا۔ پھر ایک دوسرے شخص کے قریب گیا۔

"میرے لیے کوئی کام ہو تو۔۔ کچھ بھی کر لوں گا۔"

"میرے پاس کوئی کام نہیں۔" اس شخص نے سر ہلا دیا۔

وہ بھی آگے بڑھ گیا۔ حازم نے ایک اور آدمی سے پوچھا۔ پھر ایک اور سے۔

کسی نے کہا بعد میں آنا۔۔ کسی نے کہا آج کام نہیں۔۔ اور کسی نے اسے جواب دینا بھی ضروری نہ سمجھا۔

آخر کار۔۔ حازم نے خالی ہاتھ گھر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ راستہ وہی تھا۔۔ مگر اس کے قدم پہلے سے زیادہ بھاری ہو چکے تھے۔

گھر کا پرانا لکڑی کا دروازہ دھکیل کر وہ اندر داخل ہوا۔ اندر وہی خاموشی تھی۔

وہ اپنی ماں کے پاس گیا۔ وہ بستر پر بے حس و حرکت پڑی تھیں۔

چہرہ بخار سے سرخ تھا۔۔ ہونٹ خشک۔۔ سانسیں بے ترتیب۔ حازم کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

اب بھی آگ کی طرح گرم تھا۔ اس کی انگلیاں وہیں رک گئیں۔

آنکھیں بند ہوئیں۔۔ مگر آنسو نہیں آئے۔ شاید آنسوؤں کے لیے بھی طاقت چاہیے ہوتی ہے۔

اس نے ایک نظر خالی چولہے پر ڈالی۔ پھر خالی برتنوں پر۔ اور آخر میں اپنی ماں پر۔

کچھ لمحوں بعد۔۔ وہ مڑا۔ دروازے تک گیا۔ پھر ایک بار پلٹ کر ماں کو دیکھا۔ اس بار اس کی نگاہ میں خوف تھا۔

وہ دوبارہ باہر نکل گیا۔

سلطنت کے مرکزی دیوان کے باہر، صبح سے ہی لوگوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ کوئی اپنے کھیت کے جھگڑے کی عرضی لکھوا رہا تھا، کوئی اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے فریاد کر رہا تھا،اور کوئی صرف اس امید پر آیا تھا کہ شاید سلطان معظم تک اس کی آواز پہنچ جائے۔ان سب کے درمیان، ایک بوڑھا کاتب اپنی لکڑی کی میز پر جھکا مسلسل قلم چلا رہا تھا۔ قلم، دوات، اور موٹے چمڑے میں بندھا ایک بڑا رجسٹر یہی اس کی پوری دنیا تھی۔

لیکن آج۔۔اس کے چہرے پر وہ اطمینان نہیں تھا، جس کے لیے وہ مشہور تھا۔اس کی پیشانی پر بار بار شکنیں ابھر رہی تھیں۔

ہر چند لمحوں بعد وہ بے اختیار اپنے رجسٹر کو کھولتا، صفحے پلٹتا پھر آہ بھرتا۔

اسی لمحے، قطار میں کھڑے لوگ احتراماً دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔راستہ خود بخود خالی ہونے لگا۔کاتب نے سر اٹھایا۔اور فوراً ادب سے کھڑا ہو گیا۔

سامنے۔۔ تقریباً ساٹھ برس کے ایک بزرگ کھڑے تھے۔

سفید لباس،اس پر نہایت نفیس عباء، سر پر سادہ عمامہ، لمبی مگر ترتیب سے سنواری ہوئی سفید داڑھی،اور ایسا نورانی چہرہ کہ پہلی نظر میں ہی دل احترام سے جھک جائے۔

ان کی آنکھوں میں عجیب سی شفقت تھی۔۔وہ تھے۔۔۔ شیخ نجم الدین، سلطنت کے عظیم کتب خانے کے نگران علم کے ایسے خازمہ دار، جن کے سامنے بڑے بڑے علما بھی ادب سے بیٹھتے تھے۔

کہا جاتا تھا، سلطان معظم کے والد مرحوم سلطان نے بھی اپنی جوانی میں ان سے علم حاصل کیا تھا۔اور بعد میں، جب محمد بازید ابھی کم سن شہزادہ تھے تو قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور حکمرانی کے ابتدائی اسباق بھی انہی کی نگرانی میں مکمل کیے تھے۔

پورے شہر میں، اگر کسی شخص پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا تھا۔۔تو وہ یہی بزرگ تھے۔

لوگ کہا کرتے تھے، اگر نجم الدین کسی کے حق میں گواہی دے دیں، تو دوسری گواہی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ شیخ نجم الدین نے مسکراتے ہوئے سلام کیا۔

"السلام علیکم، کاتب صاحب"

کاتب نے فوراً دونوں ہاتھ باندھ لیے۔ "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، شیخ محترم، تشریف رکھیے۔"

شیخ نجم الدین آہستگی سے بیٹھ گئے۔ان کے لبوں پر ہمیشہ کی طرح نرم سی مسکراہٹ تھی۔

"ایک عرضی لکھوانی تھی۔"

"حکم فرمائیے۔" کاتب نے فوراً قلم سنبھالا۔

شیخ نجم الدین نہایت سکون سے بولے۔ "وزیر اعظم بدرالدین صاحب کی خدمت میں عرض پہنچا دیجیے۔۔اگر سلطان معظم مناسب سمجھیں، تو میں آج ان سے چند ضروری امور پر ملاقات کا خواہش مند ہوں۔"

کاتب نے فوراً لکھنا شروع کر دیا۔ شیخ نجم الدین نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

"کاتب صاحب، آج آپ کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ خیریت تو ہے؟"

"جی۔۔ سب خیریت ہے۔" بوڑھے کاتب نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

شیخ نجم الدین نے نرمی سے کہا، "بعض اوقات انسان کی زبان خیریت کہہ دیتی ہے، لیکن اس کے ہاتھ سچ بول دیتے ہیں۔"

یہ سن کر بوڑھے کاتب کی آنکھیں جھک گئیں۔اس نے ایک گہری سانس لی۔

"شیخ محترم، کل رات میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ میرا یہ رجسٹر۔۔" اس نے میز پر رکھا موٹا رجسٹر اٹھایا۔

"اچانک غائب ہو گیا تھا"

"غائب۔۔؟" شیخ نجم الدین کی پیشانی پر ہلکی سی شکن آئی۔

"جی۔"

"میں نے پوری عمارت چھان ماری ہر کمرہ، ہر الماری، ہر پہرے دار سے پوچھا۔ کسی نے کسی اجنبی کو اندر آتے جاتے نہیں دیکھا۔ لیکن، فجر کے بعد یہی رجسٹر دوبارہ اسی میز پر پڑا ملا۔۔"

شیخ نجم الدین نے حیرت سے رجسٹر کی طرف دیکھا۔" پھر پریشانی کس بات کی ہے؟"

بوڑھے کاتب نے رجسٹر کھولا۔ چند صفحات پلٹے۔ پھر ایک جگہ رک گیا۔

"یہ دیکھیے۔۔۔ "

دو صفحات کے درمیان ایک صفحہ صاف پھاڑا گیا تھا۔

"اس میں، ملاقاتوں کا اندراج تھا۔۔اب مجھے یاد ہی نہیں آ رہا، کہ اس صفحے پر کس کس کے نام درج تھے۔"

شیخ نجم الدین چند لمحے خاموش رہے۔ پھر نہایت سنجیدگی سے بولے، "یہ معمولی بات نہیں ہے۔"

کاتب نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں، آخر ایک عام رجسٹر سے کسی کو کیا غرض ہو سکتی ہے؟"

شیخ نجم الدین نے آہستہ سے رجسٹر بند کر دیا۔

"کاتب صاحب۔۔ دنیا میں کوئی بھی انسان، بلا وجہ کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی ضائع نہیں کرتا، اور یہاں تو پورا صفحہ غائب ہے۔"

وہ چند لمحے رکے۔ پھر پر اعتماد لہجے میں بولے،

"اس کا مطلب ہے، اس صفحے پر لکھی ہوئی کوئی بات کسی کے لیے بہت اہم تھی۔"

بوڑھے کاتب نے پریشانی سے پوچھا، "تو پھر میں کیا کروں؟"

شیخ نجم الدین نے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اس معاملے کو یہیں ختم مت کیجیے۔ آج ہی وزیر اعظم بدرالدین کو اس کی اطلاع دیجیے۔ اگر ایک صفحہ غائب ہوا ہے، تو یقیناً کسی مقصد کے لیے ہوا ہے۔ اور جب مقصد سامنے آئے گا، تو صفحہ پھاڑنے والا بھی ایک دن سامنے آ ہی جائے گا۔"

بوڑھے کاتب کے چہرے پر پہلی بار کچھ اطمینان آیا۔ "آپ نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا، شیخ محترم"

مگر اس وقت وہاں موجود کسی شخص کو کیا خبر تھی کہ وہ معمولی سا صفحہ۔۔ آنے والے دنوں میں پوری سلطنت کے سکون کو تہہ و بالا کرنے والا تھا۔

وہ ایک صفحہ نہ جانے کتنے رازوں کو اپنے اندر دفن کیے ہوئے تھا، اور نہ جانے کتنی زندگیاں اس راز کی قیمت بننے والی تھیں۔

کسی نے گمان تک نہ کیا تھا کہ جسے وہ محض کاغذ کا ایک پھٹا ہوا ٹکڑا سمجھ رہے ہیں، وہی ایک صفحہ ایک دن تخت کی کئی قیمتی جانیں لے گا۔

ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی۔ آئرین کی پلکیں آہستہ آہستہ جنبش کرنے لگیں۔ اس نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ پلکیں بوجھل تھیں، مگر رفتہ رفتہ کھلنے لگیں۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ پہلے تو ہر طرف دھندلا سا منظر دکھائی دیا۔ پھر جیسے جیسے نظر صاف ہوتی گئی۔۔۔ اس کی پلکیں خود بخود پوری کھلتی چلی گئیں۔

چاروں طرف، پھول ہی پھول تھے۔ سرخ، سفید، بنفشی، ایسے رنگ جنہیں وہ صرف پھولوں کی دکانوں یا تصویروں میں ایک ساتھ دیکھا کرتی تھی۔ ہوا کا ہر جھونکا۔۔ کوئی نئی خوشبو اپنے ساتھ لاتا۔ اس نے ایک بار پھر گہرا سانس لیا۔ اور بے اختیار مسکرا اٹھی۔

"واہ! اگر خواب بھی ایسے ہوتے ہیں، تو مجھے روز ایسے ہی خواب آیا کریں۔"

وہ آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نرم، سبز گھاس پر شبنم کے ننھے ننھے قطرے سورج کی پہلی کرنوں کے انتظار میں موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک پھول کو چھوا۔ پھول بالکل تازہ تھا۔ اس کی پنکھڑیوں پر شبنم ابھی تک موجود تھی۔ آئرین ہنس پڑی۔ وہ آہستہ سے کھڑی ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی وہی بند موبائل تھا۔ اس نے لاشعوری طور پر موبائل کو دیکھا۔ پھر ارد گرد نظریں دوڑائیں۔

"اتنے خوبصورت باغ تو میں نے کبھی نہیں دیکھے۔"

اس نے چند قدم آگے بڑھائے۔ ہر قدم کے ساتھ خوشبو اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔ دور ایک چھوٹا سا سنگِ مرمر کا فوارہ تھا۔ جس کا پانی صبح کی روشنی میں چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ پرندوں کی آوازیں۔۔۔ پتوں کی سرسراہٹ۔۔۔ پھولوں کی مہک۔۔۔ ہر چیز میں عجیب سا سکون تھا۔

آئرین نے دونوں بازو پھیلا دیے۔آنکھیں بند کیں۔۔ہلکی سی ٹھنڈی ہوا کسی ننھے بچے کی انگلیوں کی طرح اس کے رخسار کو چھو کر گزری۔آئرین نے بے اختیار ناک سکیڑی۔۔اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ جو دیکھ رہی ہے وہ حقیقت ہے۔۔

اس نے دوبارہ چاروں طرف دیکھا۔۔جہاں تک نظر جاتی تھی پھول ہی پھول تھے۔۔

صرف پھول نہیں۔۔۔ایسے پھول جنہیں شاید اس نے صرف تصویروں میں دیکھا تھا۔۔۔ہر رنگ۔۔ہر خوشبو ہر سمت بہار ہی بہار۔۔درختوں کی شاخیں پھولوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔۔بیلیں سفید سنگِ مرمر کی محرابوں سے لپٹی ہوئی تھیں۔۔۔پرندوں کی چہچہاہٹ۔۔اور صبح کی ٹھنڈی ہوا۔۔

دوپٹہ اس کے کندھوں سے پھسل کر بازوؤں تک آ گیا۔۔اس کے بھورے مائل سیاہ بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔۔

وہ چند قدم آگے بڑھی۔۔پھر اچانک رک گئی۔۔سامنے گلاب کا ایک پھول تھا۔۔اتنا بڑا۔۔اتنا تروتازہ۔۔کہ وہ بے اختیار جھک گئی۔۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کی پنکھڑیوں کو چھوا۔۔وہ ہنس دی۔۔پھر اگلے پھول کے پاس گئی۔۔پھر تیسرے کے پھر چوتھے کے۔۔وہ ایک بچے کی طرح ہر پھول کو چھو رہی تھی۔۔کبھی آنکھیں بند کر کے خوشبو سونگھتی کبھی ہنس کر اگلے پھول کی طرف بھاگ جاتی۔۔

"لا۔۔۔"

"نہیں۔۔۔"

اس نے سر ہلاتے ہوئے اپنی زبان میں خود سے کہا

"یہ دنیا نہیں ہو سکتی۔۔اتنی خوبصورت جگہ۔۔زمین پر ہو ہی نہیں سکتی۔۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے چلتے ایک کھلے حصے میں آ گئی۔۔

صبح کی سنہری روشنی اب پورے باغ پر بکھر رہی تھی۔۔شبنم کے قطرے سورج کی پہلی کرن پڑتے ہی ہیروں کی طرح چمکنے لگے۔۔اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے۔۔

"یا رب۔۔۔"

آئرین اس کے چہرے پر ایسی معصوم خوشی تھی جو شاید برسوں سے کہیں کھو گئی تھی۔۔وہ آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔۔

"کیا۔۔میں۔۔واقعی جنت میں آ گئی ہوں۔۔؟"

اس نے خود ہی ہنس کر سر ہلا دیا۔۔دونوں بازو پھیلا دیے۔۔ٹھنڈی ہوا نے فوراً اس کے دوپٹے کو اپنے ساتھ اڑا لیا۔۔وہ بچوں کی طرح گھومتی رہی۔۔پھر اچانک رک گئی۔۔اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھا۔۔پھر ارد گرد۔۔پھر آسمان۔۔اور ایک شوخ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔۔

"یا رب۔۔۔"

"یہ ضرور کوئی خواب ہے۔۔"

اسی لمحے ایک ننھی سی تتلی اس کے گرد چکر لگانے لگی۔۔وہ خوشی سے اچھل پڑی۔۔وہ ہنستے ہوئے اس کے پیچھے دوڑنے لگی۔۔ تتلی کبھی ایک پھول پر بیٹھتی کبھی دوسرے پر۔۔آخر کار۔۔وہ آکر آئرین کے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔۔آئرین بالکل ساکت ہو گئی۔۔اس نے آہستہ سے سر جھکایا۔۔

تتلی کے پروں پر پڑتی دھوپ ایسے چمک رہی تھی جیسے کسی نے رنگوں پر سونا چھڑک دیا ہو۔۔اس نے دھیرے سے سرگوشی کی۔۔

"Hello..."

تتلی نے پر ہلائے۔۔آئرین کی ہنسی چھوٹ گئی۔۔وہ ایسی ہنسی تھی جو دل کی گہرائی سے نکلی تھی۔۔بے ساختہ۔۔بے فکر بے حد معصوم۔۔ اس کی ہنسی باغ میں لہروں کی طرح پھیلتی چلی گئی۔۔

درختوں سے ٹکرائی۔ پھولوں سے گزری۔۔اور باغ کے شمالی حصے میں موجود چھوٹی سی پہاڑی تک جا پہنچی۔۔

ایئرین کو ذرا بھی اندازہ نہ تھا۔۔کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہی۔

تقدیر۔۔۔اپنا کام کر چکی تھی۔ نئی صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔

اور اس کے ساتھ ہی۔۔۔

دو مختلف زمانوں کی تقدیریں۔۔۔ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جڑ چکی تھیں۔